© rasailojaraid.com

(۲)

حیاتِ احمد یارؒ

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر
مدیر ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد

موت ایک حقیقت ہے، زندگی ایک سراب۔ بے نظر سراب کو حقیقت اور حقیقت کو سراب خیال کیے رکھتا ہے، جبکہ صاحبِ نظر و صاحبِ بصیرت ہی اصل حقیقت کا شناور ہوتا ہے۔ موت اگر کسی کے آنگن میں آئے تو ایک ہی مرتا ہے، لیکن اگر فرشتۂ اجل کسی نابغۂ روزگار کے دروازے پر دستک دے دے تو پوری قوم کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ حافظ احمد یار مرحوم کی شخصیت بھی ایسی ہی شخصیات میں سے تھی۔ وہ علم کے دھنی اور تحقیق کے رسیا تھے۔ انہیں کتاب سے محبت نہیں تھی بلکہ عشق تھا۔ مہنگی سے مہنگی کتاب کہیں سے ملے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کتاب دوست انسان تھے۔ اچھی کتابوں کی تلاش اور اچھی کتابوں کو جمع کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ ان کی ذاتی لائبریری بڑی بڑی لائبریریوں سے بھی بڑی تھی۔ کیونکہ بڑی لائبریری کا معیار علماء کے نزدیک تعداد کتب پر منحصر نہیں، بلکہ بڑی لائبریری وہی کہلاتی ہے جس میں نایاب و اہم کتب کا ذخیرہ موجود ہو۔ جس طرح مصحف عثمانی کا صرف ایک ورق اپنی قدامت کے لحاظ سے تاج کمپنی کے تمام مطبوعہ مصاحف پر بھاری ہے اسی طرح کوئی ایک نایاب کتاب جو کہیں نہ ملے وہ بڑی سے بڑی لائبریری پر فوقیت رکھتی ہے۔

حافظ احمد یار صاحب کا ذاتی ذخیرۂ کتب ایسی ہی بے شمار کتب کا مجموعہ ہے۔ نایاب کتب کے حصول میں وہ کسی بڑی سے بڑی قیمتی چیز کو فروخت کر دینے میں تأمل نہ کرتے اور اچھی کتاب حاصل کر کے انہیں ایک گونہ خوشی اور سکون کا احساس ہوتا، جس کا عموماً تذکرہ بھی فرماتے تھے۔ کتاب کا نام تو یاد نہیں، البتہ وہ کتاب بڑی نایاب تھی، جو حافظ صاحب کے ذخیرے میں موجود تھی۔ ٹیلی ویژن کے کچھ لوگ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم اس کتاب کے حوالے سے ٹیلی ویژن پر باقاعدہ مفصل پروگرام ٹیلی کاسٹ کرنا چاہتے ہیں، وہ کتاب آپ ہمیں دے دیجیے اور منہ مانگے دام لے لیجیے۔ حافظ صاحب نے انکار فرمایا۔ اصرار و انکار کی کشمکش چلتی رہی، بولی بھی بڑھتی رہی۔ ٹیلی ویژن والے ہار گئے تو کہنے لگے وہ کتاب آپ ہمیں عاریتاً ہی دے دیجیے، ہم بحفاظت واپس کر دیں گے۔ حافظ صاحب نے فرمایا یہ بھی ممکن نہیں، میں تو وہ کتاب اپنے سکوٹر میں رکھ کر بھی باہر نہیں لے جاتا، مبادا سکوٹر کی ٹکر ہو، میں مر جاؤں اور کتاب ضائع ہو جائے۔ اس دلیل نے ٹیلی ویژن والوں کی ٹیم کو بے دلیل کر دیا اور وہ بے نیل مرام واپس لوٹ گئے۔

آپ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے لیکچرار بھی رہے۔ ذہن تخلیقی و تحقیقی تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرحِ نو ڈالنے کی صلاحیت سے بھی مالا مال تھے۔ لوگ لفظ نمائش سے تو شناسا تھے' مثلاً نمائش بدن' نمائش لباس' ذاتی نمائش' بڑی نمائش' چھوٹی نمائش وغیرہ' اور اس قسم کی تمام نمائشوں میں خوب دلچسپی بھی لیتے تھے۔ لیکن کتابوں کی نمائش' یہ جملہ اور یہ ترکیب ہی سرے سے اجنبی اور غریب تھی۔ کوئی جانتا تک نہ تھا کہ کتابوں کی بھی نمائش ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ حافظ صاحب نے کتب سیرت کی نمائش کی طرحِ نو ڈالی۔ جب آپ نے اس خیال کا اظہار لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ بڑے بڑے پروفیسر حضرات کے سامنے کیا تو پذیرائی تو کیا ہوتی ہر ایک کے ماتھے پر سوالیہ نشان اُبھرا۔ بعض نے تو اس خیال کو دیوانے کی بڑ قرار دیا اور تضحیک کی۔ لیکن ہدف واضح ہو' مقصد سے لگن صادق ہو تو انسان ہنسنے والوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اسے اونچی اڑان میں مدد و معاون خیال کرتا ہے۔ یوں بھی اہل جنوں سنگ زنی ہی میں جیتے ہیں اور لطف زندگی پاتے ہیں ۔

مرے جنوں کا ترے شہر میں گزارا نہیں
مجھے تو ایک بھی پتھر کسی نے مارا نہیں

آپ نے اُس وقت تک چھپنے والی کتب سیرت کی نمائش کا خوب اہتمام کیا۔ یہ نمائش گھنٹے دو گھنٹے یا ایک سیشن نہیں بلکہ تین روز جاری رہی۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ نمائش صرف بدن کی یا کپڑے اور مٹی چینی کے برتنوں ہی کی نہیں ہوتی' نمائش کتب کی بھی ہوتی ہے۔ کتابوں کی نمائش کی طرح آپ ہی نے ڈالی۔ اب موقع بہ موقع نمائش کتب لگتی ہیں۔ اہل علم کے لیے یہ صدقۂ جاریہ حافظ صاحب ہی کا رہین منت ہے۔ ناشرین کتب کے لیے یہ دستر خوان حافظ صاحب ہی کا چنا ہوا ہے جس سے کتب فروش ہڈیاں بوٹیاں تلاش کرتے ہیں۔

میں حافظ صاحب کی زندگی کے اوراق کو پلٹتا ہوں تو آپ کی زندگی کا ایک ایک ورق ۔

از سر تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است!

کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ تمام اوصاف کا احاطہ کروں تو وقت قلیل' قرطاس کا دامن بھی کوتاہ۔ البتہ ایک وصف کا اہتماماً ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بڑا زور دیا ہے' بلکہ بعض نصوص کی رو سے حقوق اللہ پر حقوق العباد کی برتری کا واضح پتا چلتا ہے۔ ایک روایت میں ہے:

((حَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلٰى حَقِّ اللّٰهِ)) ''بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہے''۔

حافظ صاحب حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت باریک بین تھے۔ اس حوالے سے ان کی نظر اتنی گہری تھی کہ کسی عام آدمی کے خیال کی پرواز بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ کسی کو خط لکھنا ہوتا اور بات بھی جواب طلب ہوتی تو جوابی لفافہ ارسال فرماتے۔ میں نے ایک روز سوال کیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: ایک تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم مرسل الیہ کا وقت کھوٹا کریں کہ وہ ہمارا خط پڑھے اور جواب لکھے' دوسرے اس پر مالی بوجھ بھی ڈال دیں' یہ قرین انصاف نہیں۔ حافظ صاحب کے فرمان کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ ایک مرتبہ میں نے بھی حافظ صاحب کو خط لکھا اور جوابی لفافہ ارسال کیا۔ آپ نے جواب لکھا اور میرا بھیجا ہوا جوابی لفافہ جوں کا توں اپنے لفافہ میں واپس بھجوا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اتفاقاً ملاقات ہوئی' میں نے عرض کیا کہ میرا یہ عمل تو آپ کی اتباع ہی کے طور پر تھا' تو آپ نے میرے لفافہ کو استعمال کیوں نہ کیا اور لفافہ واپس کیوں بھیج دیا؟ حافظ صاحب مسکرائے' بلکہ کھلکھلا کر ہنسے اور زبانِ حال سے فرمانے لگے: وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

حافظ صاحب فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے حجاز گئے تو کثرت سے عمرے ادا کیے' اتنے کہ نڈھال ہو گئے۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر نعم العبد اس وقت سعودی عرب میں ملازم تھے۔ انہوں نے اپنے والد کو ادب سے منع کیا کہ اب آرام کیجیے' مزید مشقت آپ کی صحت پر منفی اثر ڈالے گی۔ حافظ صاحب فرمانے لگے بس ایک عمرہ اور کرنے دو' وہ بہت ضروری ہے اور باوجود منع کرنے کے پھر عمرے کا احرام باندھا اور ہانپتے کانپتے وہ عمرہ بھی ادا کیا۔ بیٹے نے پوچھا آخر اس عمرہ کے لیے اتنا اصرار کیوں تھا؟ فرمانے لگے کہ یہ عمرہ میں نے اس شخص کی طرف سے کیا ہے جو کبھی پشتوں پہلے ہمارے خاندان میں پہلا مسلمان ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم وہ کون ہوگا' تاہم میں آج اسی کے طفیل اسلام کی دولت سے مالا مال ہوں اور توحید کا ماننے والا ہوں۔ اسی کے سبب اللہ کے گھر پر حاضری کی سعادت ملی ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے عمرہ ادا نہ کرنا اس کی حق تلفی اور حق العباد میں کوتاہی کے مترادف تھا۔ اب اس کی طرف سے عمرہ ادا کر کے ذہن ہلکا ہو گیا ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد حافظ احمد یار' ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس انجمن خدام القرآن لاہور کے ادارہ (قرآن اکیڈمی) سے منسلک ہو گئے۔ کچھ عرصہ ان کے ادارے میں پڑھاتے رہے' پھر تصنیف و تالیف کی خدمت سرانجام دینے لگے۔ کئی برس پہلے کی بات ہے میں ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر حاضر ہوا۔ مجھے کمرے میں بٹھایا لیکن میں نے ان کے چہرہ پر پہلے جیسی شگفتگی نہ دیکھی۔ میں نے محسوس کیا اور عرض کیا حافظ صاحب شاید میں بے وقت آ گیا ہوں' میرے آنے سے آپ کو زحمت ہوئی ہے۔ فرمانے لگے تم بے وقت تو نہیں آئے ہو اور تمہارے آنے سے مجھے خوشی بھی ہوئی ہے' تاہم ایک بات کی پریشانی ہے۔ فرمانے لگے یہ وقت میرا نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر اسرار صاحب کا ہے۔ میں ان کا ملازم ہوں' انہوں نے میری صحت کے پیش نظر مجھے یہ سہولت دے رکھی ہے کہ میں اوقاتِ کار میں ان کے ادارے میں نہ جاؤں بلکہ گھر پر ہی رہ کر اتنے گھنٹے تفسیر کا کام کرتا رہوں۔ اس لحاظ سے یہ وقت ان کی امانت ہے۔ چونکہ تمہیں پتا نہ تھا اس لیے تم پر دوش نہیں' البتہ اب اتنا وقت شام کو مزید بیٹھوں گا۔ جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو حافظ صاحب نے اسی وقت گھڑی دیکھی اور منٹ شمار کیے۔

حافظ احمد یار علم کی آبرو اور قلم کا وقار تھے۔ قرآن کے عاشق اور قرآنی علوم کے متوالے۔ انہیں قرآن کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ جنون بھی مات کھائے۔ وہ علم اور عمل کے آدمی تھے۔ بہت کچھ جانتے' اتنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کئی عالموں پر بھاری، لیکن چہرہ بشرہ علم کے مصنوعی تکلف سے بالکل عاری۔ دیکھنے والا انہیں زیادہ سے زیادہ دووقت کا امام تصور کرتا۔ سادہ رہتے، سادہ پہنتے، سادہ قال، سادہ حال، جفاکشی اور وفا کیشی زندگی کا حصہ تھی۔ ان کو پہچاننے کے لیے گہر شناس ہونا ضروری تھا۔ ہمیشہ ہنس کر بلکہ کھل کر ملتے۔ گفتار کے مجاہد اور کردار کے غازی تھے۔ خود زحمت اٹھاتے، دوسروں کے لیے رحمت بنتے تھے۔ محبت سب سے، نفرت کسی سے نہیں پر عمل کرتے۔ کوئی زیادتی بھی کرتا تو ''جا تیرا بھلا ہو'' کی تصویر بن جاتے۔

عمر بھر قرآن پڑھا، قرآن پڑھایا۔ قرآن کے لیے پڑھا اور قرآن کے لیے ہی لکھا۔ ان کے قلم سے بڑی بڑی تحریریں نکلیں۔ سب کا حوالہ قرآن ہی تھا۔ یہی متاعِ حیات لے کر اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اللہ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے اور چارسو کشادہ فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ آخرت میں حافظ صاحب قرآن کے سائے ہی میں اٹھیں گے، اسی سائے میں میدانِ حشر میں آئیں گے اور قرآن کے حوالے ہی سے نوید بخشش حاصل کریں گے۔

ہم ایسے لوگ تم کہاں سے لاؤ گے
ڈھونڈنے نکلو گے لیکن ہمیں نہ پاؤ گے

ان کے لواحقین خصوصاً ڈاکٹر نعم العبد صاحب سے ہماری درخواست ہوگی کہ وہ حافظ صاحب کے ذخیرۂ کتب کا اکابر اہل علم کے مشورہ سے صحیح مصرف تلاش کریں تاکہ حافظ صاحب کی روح آسودہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی عمر بھر کی علمی جمع پونجی کرم کتابی کی خوراک کا ذریعہ بن جائے۔ ان کے لواحقین کو اس بات سے بھی باخبر رہنا چاہیے کہ حافظ صاحب کی کتابیں کسی ایسے شکاری کے ہتھے بھی نہ چڑھ جائیں جو علم کو سیروں اور منوں میں تولتا ہے اور اس تول کا مول وصول کرتا ہے۔ ایسے شکاری کرم کتابی سے بھی زیادہ خطرناک ہوا کرتے ہیں۔

حافظ صاحب نے حیاتِ مستعار کو پورا کیا اور مستعیر کو متاعِ حیات لوٹا کر وعدہ ایفا کر گئے لیکن وہ حیات ہیں۔ بھلا اہل عشق بھی کبھی مرتے ہیں، نہیں اہل عشق مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ کیونکہ زندگی سانس کے آنے جانے کا نام نہیں، زندگی مقصدیت کا نام ہے۔ زندگی وقت گزاری نہیں بلکہ کارگزاری کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر زندگی میں مقصدیت کا عنصر موجود ہو تو انسان اصل حیات حاصل کرتا ہے۔ اگر مقصدیت مفقود ہو تو انسان چلتی پھرتی لاش سے زیادہ کچھ نہیں۔ حافظ احمد یار بامقصد زندگی کی علامت ہیں۔ اسی لیے دنیا سے رخصت ہونے کے باوجود دلوں میں حیات ہیں۔

کھول کے کیا بیاں کروں سرِّ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف، مرگ حیاتِ بے شرف

❁❁❁

© rasailojaraid.com